© rasailojaraid.com

# مسئلہ تحلیل ربوا پر ایک قانونی نظر

(بسلسلۂ اشاعت رمضان ۵۵ھ)

**تعلقات خارجیہ کا قانون** | اسلامی قانون کا یہ شعبہ ان لوگوں کے جان و مال کی قانونی حیثیات سے بحث کرتا ہے جو اسلامی حکومت کے حدود سے باہر رہتے ہوں۔ اس کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے چند امور کی توضیح ضروری ہے۔

فقہی اصطلاح میں لفظ دار قریب قریب انہی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جن میں انگریزی لفظ (Territory) بولا جاتا ہے۔ جن حدود ارضی میں مسلمانوں کو حقوق شاہی حاصل ہوں وہ دار الاسلام ہیں، اور جو علاقہ ان حدود سے خارج ہو وہ دار الکفر یا دار الحرب ہے۔ تعلقات خارجیہ کا قانون تمام تر انہی مسائل سے بحث کرتا ہے جو اس ارضی تفریق یا تباین دارین سے نفوس اور اموال کے بارے میں پیدا ہوتے ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں اعتقادی حیثیت سے تو تمام مسلمان اسلامی قومیت کے افراد (Nationals) ہیں، لیکن اس شعبۂ قانون کی اغراض کے لیے ان کو تین اقسام پر منقسم کیا گیا ہے ایک وہ جو دار الاسلام کی رعایا (Ciliteens) ہوں۔ دوسرے وہ جو دار الکفر یا دار الحرب کی رعایا ہوں۔ تیسرے وہ جو رعایا تو دار الاسلام ہی کی ہوں، مگر مستامن کی حیثیت سے عارضی طور پر دار الکفر یا دار الحرب میں جائیں اور مقیم ہوں۔ ان سب کے حقوق اور واجبات الگ الگ متعین کیے گئے ہیں۔

اس کے مقابلہ میں کفار اگرچہ سب کے سب اعتقاداً اسلامی قومیت سے خارج ہیں، مگر قانوناً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


ان کو بھی ان کے حالات کے لحاظ سے متعدد اقسام پر منقسم کیا گیا ہے۔ ایک وہ جو پیدائشی ذمی (Natural bcrn subjects) ہوں یا وضع جزیہ و خراج کے ذریعہ سے جن کو ذمی بنا لیا گیا ہو (Naturalised subjects)۔ دوسرے وہ جو دار الاسلام کی رعایا نہ ہوں بلکہ مستامن کی حیثیت سے دار الاسلام میں آئیں اور رہیں (Domiciled aliens)۔ تیسرے وہ جو دار الکفر یا دار الحرب کی رعایا ہوں اور امان کے بغیر دار الاسلام میں داخل ہو جائیں۔ چوتھے وہ جو اپنے ہی دار میں ہوں۔

پھر اس آخری قسم کے کفار کی بھی متعدد اقسام ہیں۔ ایک وہ جن سے اسلامی حکومت کا معاہدہ ہو۔ دوسرے وہ جو اسلامی حکومت کو خراج دیتے ہوں مگر ان کے حدود میں احکام اسلامی جاری نہ ہوں تیسرے وہ جن سے کوئی معاہدہ نہ ہو مگر دشمنی بھی نہ ہو۔ چوتھے وہ جن سے مسلمانوں کی دشمنی ہو۔

اس طرح حدود ارضی یعنی دار (Territory) کے لحاظ سے اشخاص اور املاک کی حیثیات میں جو فرق واقع ہوتا ہے اور اس فرق کے لحاظ سے ان کے درمیان احکام میں جو تمیز کی جاتی ہے اس کو مدنظر رکھنا قانون اسلامی کی صحیح تعبیر کے لیے نہایت ضروری ہے۔ جب کبھی ان فرق اور امتیازات کا لحاظ کیے بغیر محض قانونی عبارات کے الفاظ کی پیروی کی جائے گی تو صرف ایک سود کے مسئلہ ہی میں نہیں بلکہ بکثرت فقہی مسائل میں ایسی غلطیاں پیش آئیں گی جن سے قانون مسخ ہو جائے گا اور اپنے مقاصد کے خلاف استعمال کیا جانے لگے گا۔

ان ضروری توضیحات کے بعد ہم ان سوالات کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ دار الحرب کا اطلاق در اصل کن علاقوں پر ہوتا ہے۔ کن مراتب کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور ہر مرتبہ کے احکام کیا ہیں؟ حربیت کے کتنے مدارج ہیں اور ہر درجہ کے لحاظ سے اباحت نفوس و اموال کی نوعیت کس طرح بدلتی ہے؟ پھر اختلاف دارین کے لحاظ سے خود مسلمانوں کی حیثیات میں کیا فرق واقع ہوتا ہے اور ہر حیثیت کے لحاظ سے ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقوق و واجبات کس طرح بدلتے ہیں؟

**دارالکفر کے اقسام** کفار کی جو اقسام ہم نے اوپر بیان کی ہیں ان میں سے اہل ذمہ کے متعلق تو ہر شخص جانتا ہے کہ بجز خمر و خنزیر اور نکاح محارم اور عبادت غیر اللہ کے اور تمام معاملات میں ان کی حیثیت وہی ہے جو مسلمانوں کی ہے۔ اسلام کے تمام ملکی قوانین ان پر جاری ہوتے ہیں، وہ ان سب چیزوں سے روکے جاتے ہیں جن سے مسلمان روکے جاتے ہیں، اور ان کو عصمت جان و مال و آبرو کے وہ تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں جو دارالاسلام کے مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ ان کو الگ کرنے کے بعد اب ہمیں صرف ان کفار کے حالات پر نظر ڈالنی چاہیے جو دارالکفر میں مقیم ہوں۔

**باج گزار** (۱) وہ کفار جو اسلامی حکومت کو خراج دیتے ہوں اور جن کو اپنے ملک میں احکام کفر جاری کرنے کی آزادی حاصل ہو۔ ان کا ملک اگرچہ دارالکفر ہے مگر دارالحرب نہیں، اس لیے کہ جب مسلمانوں نے ادائے خراج پر انھیں امان دے دی تو حربیت مرتفع ہوگئی۔ قرآن میں آیا ہے کہ فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ عَلَیْہِمْ سَبِیْلًا (النساء: ۱۲) یعنی اگر وہ جنگ سے باز آجائیں اور صلح پیش کریں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر دست درازی کی کوئی سبیل نہیں رکھی اسی بنا پر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان کے اموال اور نفوس اور اعراض سے تعرض نہیں کیا جا سکتا۔

| | |
|---|---|
| وان وقع الصلح علیٰ ان یؤدوا الیهم کل سنة مأة رأس فان کانت هذه المأة الرأس یؤدونها من انفسهم واولادهم لم یصلح هذا لان الصلح وقع علیٰ جماعتهم فکانوا جمیعاً مستأمنین واسترقاق المستأمن لا یجوز (المبسوط للامام السرخسی ج ۱۰ ص ۸۸) | اور اگر ان سے اس بات پر صلح ہوئی ہو کہ وہ ہر سال سو غلام دیں گے تو یہ سو غلام اگر خود انہی کی جماعت میں سے ہوں یا ان کی اولاد ہوں تو ان کا لینا درست نہ ہوگا کیونکہ صلح کا اطلاق ان کی پوری جماعت پر ہوگا اور وہ سب مستامن ہوں گے اور مستامن کو غلام بنانا جائز نہیں۔ |

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ولو دخل رجل منھم دار حرب اخریٰ فظھر المسلمون علیھم لم یتعرضوا لہ لانہٗ فی امان المسلمین (ایضاً ص ۹)

اگر ان میں سے کوئی شخص کسی دوسرے دار الحرب میں مقیم ہو اور اسلامی فوجیں اس ملک میں داخل ہوں تو اس شخص سے کوئی تعرض نہ کیا جائیگا کیونکہ وہ مسلمانوں کی امان میں ہے۔

وان کان الذین سبوھم قوم من المسلمین غدروا باھل الموادعۃ لم یسع المسلمین ان یشتروا من ذالک السبی وان اشتروا ردت البیع لانھم کانوا فی امان المسلمین (ایضاً ص ۹۷)

اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت ان کے ساتھ غدر کرکے ان کے آدمیوں کو غلام بنائے تو مسلمانوں کے لیے ان غلاموں کا خریدنا جائز نہ ہوگا اور اگر انہوں نے خرید لیا ہو تو اس بیع کو رد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کی امان میں تھے۔

اس قسم کے کفار اگرچہ نظری حیثیت سے اہل حرب ضرور رہتے ہیں (لانھم بھذہ الموادعۃ لا یلتزمون احکام الاسلام ولا یخرجون من ان یکونوا اھل حرب۔ مبسوط ج ۱۰ ص ۸۹) لیکن ان کے اموال مباح نہیں اور ان کے ساتھ عقود فاسدہ پر کوئی معاملہ نہیں کیا جاسکتا، خواہ وہ سود خوار ہی کیوں نہ ہوں۔ بلکہ اگر وہ اپنے دار میں بھی نہ ہوں بلکہ ایسے دار میں ہوں جہاں بالفعل جنگ ہو رہی ہو تب بھی مسلمانوں کے لیے ان سے عقود فاسدہ پر معاملہ کرنا جائز نہ ہوگا۔

معاہدین (۲) وہ کفار جن سے دار الاسلام کا معاہدہ ہو۔ ان کے متعلق قرآن کی تصریحات حسب ذیل ہیں:

اِلَّا الَّذِیْنَ عَاھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْکُمْ شَیْئًا وَّلَمْ یُظَاھِرُوْا عَلَیْکُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْھِمْ عَھْدَھُمْ اِلٰی مُدَّتِھِمْ۔ (التوبۃ: ۱)

بجز ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے۔ پھر انہوں نے تمہارے ساتھ وفائے عہد میں کمی بھی نہ کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کو مدد دی۔ ان کے ساتھ تم معاہدہ کی مدت مقررہ تک عہد پورا کرو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ (التوبۃ ۲) — جب تک وہ عہد پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو۔

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيْثَاقٌ (الانفال : ۱۰) — اور جو مسلمان دارالکفر میں رہتے ہوں وہ اگر دین کے حق کی بناء پر تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرو مگر کسی ایسے قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو۔

وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ (النساء: ۱۴) — اور اگر مقتول کسی ایسی قوم سے ہو جس کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو تو اس کے ورثہ کو دیت دی جائے گی۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ایسے کفار اگرچہ نظری حیثیت سے حربی ہیں اور ان کے ملک پر دارالحرب کا اطلاق ہو سکتا ہے مگر جب تک اسلامی حکومت کا ان سے معاہدہ ہے اس وقت تک وہ مباح الدم والاموال نہیں ہیں، اور ان کی جان و مال سے تعرض کرنا غدر ہے۔ اگر کوئی مسلمان ان کا خون بہائے گا تو دیت لازم آئے گی، اور اگر ان کے مال سے تعرض کرے گا تو ضمان دینا ہوگا۔ پس جب ان کے اموال مباح ہی نہیں ہیں تو ان کے ساتھ عقود فاسدہ پر معاملہ کیسے کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اس کا جواز تو اباحت ہی کی اصل پر مبنی ہے۔

اہل غدر (۳) وہ کفار جو معاہدہ کو توڑ دیں۔ ان کے متعلق قرآن کا حکم یہ ہے کہ

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ (الانفال : ۷) — اور اگر تمہیں کسی قوم سے بدعہدی کا اندیشہ ہو تو برابری کو ملحوظ رکھ کر ان کا معاہدہ ان کی طرف پھینک دو۔

شمس الائمہ سرخسی اس صورت مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

وَلٰكِن ينبغي ان ينبذ اِلَيْهِمْ عَلٰى سواء اى عَلٰى سَوَاءٍ منكم ومنهم في العلم بذالك فعرفنا انه لا يحل قتالهم — (ایسی صورت میں معاہدہ کو توڑ دینا جائز ہے) مگر لازم ہے کہ نقض معاہدہ برابری کے ساتھ ہو، یعنی تمہاری طرح ان کو بھی معلوم ہو جائے کہ تم نے معاہدہ کو کالعدم


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبل النبذ وقبل ان یعلموا بذلك (المبسوط ج ۱۰ ص ۸۶)

قرار دے دیا ہے۔ اس حکم سے ہم سمجھتے ہیں کہ اعلان و اطلاع سے پہلے ان کے ساتھ جنگ حلال نہیں ہے۔

یہ آیت اور اس کی مذکورۂ بالا قانونی تعبیر یہ ظاہر کر رہی ہے کہ معاہد قوم اگر بد عہدی بھی کرے تب بھی اعلان جنگ سے پہلے اس کے نفوس و اموال مباح نہیں ہیں۔

غیر معاہدین (۴) وہ کفار جن سے معاہدہ نہ ہو۔ یہ ایک ایسی حالت ہے جس کو ہمیشہ بین الاقوامی تعلقات میں جنگ کا پیش خیمہ سمجھا جاتا ہے۔ سیاسی تعلقات کا انقطاع (Rupture of Diplomatic relations) دراصل یہ معنی رکھتا ہے کہ دونوں قومیں اب باہمی احترام کی قیود سے آزاد ہیں۔ ایسی حالت میں اگر ایک قوم دوسری قوم کے آدمیوں کو قتل کر دے یا لوٹ لے تو کوئی دیت یا ضمان واجب نہ ہوگا۔ اس معنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دونوں قوموں کے لیے ایک دوسرے کے نفوس و اموال مباح ہیں۔ مگر کوئی مہذب حکومت باقاعدہ اعلان جنگ کیے بغیر کسی انسانی جماعت کا خون بہانا یا مال لوٹنا پسند نہیں کر سکتی۔ اسلامی قانون اس باب میں یہ ہے:۔

ولو قاتلوهم بغير دعوة كانوا آثمين في ذلك ولكنهم لا يضمنون شيئا مما اتلفوا من الدماء والاموال عندنا (المبسوط ج ۱۰ ص ۳۰)

اور اگر مسلمانوں نے دعوت کے بغیر ان سے جنگ کی تو وہ گناہ گار ہوں گے، لیکن جو کچھ جان و مال وہ تلف کریں گے اس میں سے کسی چیز کا ضمان حنفیہ کے نزدیک مسلمانوں پر لازم نہ آئے گا۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ ضمان لازم آئے گا کیونکہ جب تک وہ دعوت کو رد نہ کر دیں ان کے جان و مال کی حرمت و عصمت باقی ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ:۔

ولكنا نقول العصمة المقومة تكون بالاحراز وذلك لم يوجد في حقهم.. ولكن

جس عصمت کی بنا پر جان و مال کی قیمت قائم ہوتی ہے وہ تو حفاظت دار میں ہونے پر موقوف ہے اور یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


شرط الاباحة تقديم الدعوة فبدونه لا يثبت و مجرد حرمة القتل لا يكفى لوجوب الضمان (ایضاً صنہ۳۰-۳۱)

یہ ضرور ہے کہ اباحت کے لیے تقدیم دعوت شرط ہے، اور اس کے بغیر اباحت ثابت نہیں ہوتی لیکن محض حرمت قتل، وجوب ضمان کے لیے کافی نہیں۔ چیز ان کے حق میں موجود نہیں.....

اس سے معلوم ہوا کہ حربی کفار جو ذمی نہیں ہیں جن سے کوئی معاہدہ نہیں ہے، جن کا دار ہمارے دار سے مختلف ہے، جن کی عصمت ہمارا قانون تسلیم نہیں کرتا ان کے نفوس و اموال بھی ہم پر اس وقت تک حرام ہیں جب تک کہ اتمام حجت نہ ہو اور ہمارے اور ان کے درمیان باقاعدہ اعلان جنگ نہ ہو جائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں حضرت معاذ بن جبل کو جو ہدایات دی تھیں وہ قابل غور ہیں:-

لا تقتلوهم حتّٰى تدعوهم فان ابوا فلا تقتلوهم حتّٰى يبدؤكم فان بدؤكم فلا تقاتلوهم حتى يقتلوا منكم قتيلا ثم اروهم ذالك القتيل و قولوا لهم هل الى خير من هذا سبيل فلان يهدى الله تعالى على يديك خير لك بما طلعت عليه الشمس و غربت۔

ان سے جنگ نہ کرنا جب تک کہ ان کو دعوت نہ دے لو پھر اگر وہ انکار کریں تب بھی جنگ نہ کرنا جب تک وہ ابتدا نہ کریں۔ پھر اگر وہ ابتدا کریں۔ تب بھی جنگ نہ کرنا جب تک کہ وہ تم میں سے کسی کو قتل نہ کر دیں۔ پھر اس مقتول کو دکھا کر ان سے کہنا کہ کیا اس سے زیادہ بہتر کسی بات کے لیے تم آمادہ نہیں ہو سکتے؟ اے معاذ اس قدر صبر و تحمل کی تعلیم اس لیے ہے کہ اگر اللہ تیرے ہاتھ پر لوگوں کو ہدایت بخش دے تو یہ اس سے زیادہ بہتر ہے کہ تیرے قبضہ میں مشرق سے مغرب تک سارا ملک و مال آجائے۔

محاربین (۵) اب صرف وہ کفار باقی رہ جاتے ہیں جن سے مسلمانوں کی بالفعل جنگ ہو۔ اصلی حربی یہی ہیں، انہی کے دار کو تعلقات خارجیہ کے قانون میں دارالحرب ( **Enemy country** )

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کہا جاتا ہے، انہی کے نفوس اور اموال مباح ہیں اور انہی کو قتل کرنا، گرفتار کرنا، لوٹنا اور مارنا شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔ لیکن حربیت (Enemy character) تمام محاربین میں یکساں نہیں ہے اور نہ تمام اموال حربیہ ایک ہی حکم میں ہیں۔ حربی کافروں کی عورتیں، ان کے بچے، ضعفاء، اور معذورین وغیرہ بھی اگرچہ حربی ہیں، مگر شریعت نے ان کو مباح الدم نہیں ٹھیرایا ہے بلکہ اباحت قتل کو صرف مقاتلین تک محدود رکھا ہے۔ (انما یقتل من یقاتل۔ قال اللہ تعالیٰ وقاتلوھم والمفاعلۃ تکون من الجانبین۔ المبسوط۔ ج ۱۰ ص ۶۴)۔ اسی طرح اموال حربیہ میں بھی شریعت نے فرق مدارج کیا ہے اور ہر درجہ کے احکام الگ ہیں۔

اموال حربیہ کے مدارج اور احکام | اگرچہ اصولی حیثیت سے تمام وہ اموال واملاک جو دشمن کے علاقہ میں ہوں، مباح (Confiscable) ہیں، لیکن شریعت اسلامی نے ان کو دو اقسام پر منقسم کیا ہے۔

غنیمت | ایک قسم اُن اموال منقولہ کی ہے جن پر رقبۂ جنگ میں اسلامی فوج اپنے اسلحہ کی طاقت سے قابض ہو۔ یہ اموال غنیمت ہیں جن کا ⅕ حصہ حکومت کا حق ہے اور ⅘ ان لوگوں کا جنہوں نے ان کو لوٹا ہو۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ کتاب الخراج میں غنیمت کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

فھذا فیما یصیب المسلمون من عساکر اھل الشرک وما اجلبوا بہ من المتاع والسلاح والکراع (ص ۱۰)

خمس ان اموال میں ہے۔ جو مسلمانوں کو اہل شرک کے لشکروں سے ہاتھ لگیں اور جو ساز و سامان اور اسلحہ اور جانوروں کی قسم سے ہوں۔

دوسری جگہ پھر فرماتے ہیں: فما اصاب المسلمون من عساکر اھل الشرک وما اجلبوا بہ من المتاع والکراع والسلاح وغیر ذلک۔ اس سے ظاہر ہوا کہ غنیمت کا اطلاق صرف ان اموال منقولہ پر ہوتا ہے جو جنگی کارروائی (Warlike operations) کے دوران میں



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



غنیم کے لشکروں سے ہاتھ آئیں۔ لشکروں کے حدود سے باہر عام آبادیوں کو لوٹتے مارتے پھرنا شریعت کی نگاہ میں درست نہیں۔ اگرچہ دار الحرب کے تمام اموال مباح ہیں، اور اگر کوئی شخص غیر مقاتلین کے اموال سے تعرض کرے تو اس پر نہ کوئی ضمان لازم ہوگا، نہ لوٹے ہوئے اموال واپس کئے جائیں گے لیکن اس قسم کی لوٹ مار پسندیدہ نہیں ہے۔ امام مسلمین ہر ممکن طریقہ سے اپنی فوجوں کو ایسی حرکات سے روکے گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ من غزا فخراً وریاءً وسمعۃ وعصی الامام وافسد فی الارض فانہ لم یرجع بالکفاف (ابوداؤد - باب فی من یغزو ویلتمس الدنیا)۔

فے | دوسری قسم ان اموال منقولہ وغیر منقولہ کی ہے جو غنیم کے لشکر سے لڑکر حاصل نہ کئے گئے ہوں بلکہ نتیجۂ فتح کے طور پر حکومت کے تحت تصرف آئیں، عام اس سے کہ وہ غنیم کی رعایا کے املاک ہوں یا دشمن سلطنت کے ہوں۔ اسلامی اصطلاح میں ایسے اموال کو فَے کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور یہ غنیمت سے بالکل مختلف چیز ہے (وغنیمۃ العسکر مخالفۃ لما افاء اللہ من اھل القریٰ والحکم فی ھذا غیر الحکم فی تلک الغنائم - کتاب الخراج ص ۳۶) اس کے متعلق سورۂ حشر میں تشریح کردی گئی ہے کہ یہ کسی شخص کی ملکیت میں نہ دی جائیگی بلکہ اس کا تعلق بیت المال سے ہوگا اور اسے مصالح عامہ میں خرچ کیا جائیگا وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ، الی آخر الآیۃ۔ لفظ فَے کا کوئی اور مفہوم اس کے سوا نہیں ہے اور کتب فقہیہ میں ہم کو کہیں بھی کسی ایسی فَے کا نشان نہیں ملا جس کو ہر شخص بطور خود حاصل کرے اور اپنی ہی جیب میں رکھ لے۔ جگہ جگہ فَیٔ للمسلمین فیٔ یوضع فی بیت مال المسلمین، فیٔ لجماعۃ المسلمین اور ایسے ہی دوسرے الفاظ ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین صرف اس فَے سے واقف تھے جو جماعت کی ملک ہوتی ہے اور حکومت اسلامی کے زیر تصرف ہوا کرتی ہے۔

غنیمت اور لوٹ میں امتیاز | پھر غنائم حاصل کرنے کا شرعی حق صرف انہی لوگوں کو دیا گیا ہے جو اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سلطنت کے زیر حفاظت ہوں اور جن کو امام مسلمین کی اجازت نصاً یا حکماً حاصل ہو۔ ان کے سوا اگر عام مسلمان فرداً فرداً یا جماعت بناکر بطورِ خود لوٹ مار کرنے لگیں تو ان کی حیثیت لٹیروں کی ہوگی، ان کی غنیمت "غنیمت" نہ ہوگی، لوٹ ہوگی، اس لیئے اس میں سے اللہ کا حصہ (یعنی خمس) قبول نہ کیا جائیگا البتہ وہ انہی میں تقسیم کر دیا جائے گا، کیونکہ دشمن کو واپس دلانا تو بہرحال ممکن نہیں (فان کان دخول القوم الذین لامنعة لھم بغیر اذن الامام علیٰ سبیل التلصص فلا خمس فیما اصابوا عندنا ولکن من اصاب منھم شیئاً فھو لہ خاصة۔ المبسوط ج ۱۰۔ ص ۷۲) اس کی وجہ جو کچھ علامہ سرخسی نے لکھی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمایئے :۔

والمعنی ما بیّنّا ان الغنیمة اسم لمال مصاب باشرف الجھات وھو ان یکون فیہ اعلاء کلمة اللہ تعالیٰ واعزاز الدین ولھذا جعل الخمس منہ للہ تعالیٰ وھذا المعنی لا یحصل فیما یاخذہ الواحد علیٰ سبیل التلصص فیتمحض فعلہ اکتساباً للمال (ایضاً ص ۷۲)

بات دراصل یہ ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ غنیمت اُس مال کا نام ہے جو انتہا درجہ کے پاک اور اشرف طریقہ سے ہاتھ آئے اور وہ یہ ہے کہ اس میں اللہ کے کلمہ کا اعلاء اور اس کے دین کا اعزاز ہو۔ اسی لیے اس میں اللہ کا پانچواں حصہ مقرر کیا گیا۔ یہ بات اس مال میں نہیں ہوتی جس کو ایک شخص تلصص کے طور پر حاصل کرتا ہے کیونکہ اس کا مقصد تو محض اکتسابِ مال ہے۔

اس کی نظیر میں امام سرخسی وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس میں ذکر ہے کہ مشرکین ایک مسلمان لڑکے کو پکڑ لے گئے تھے کچھ مدت بعد وہ لڑکا ان کے قبضہ سے بھاگ نکلا اور ان کی کچھ بکریاں بھی پکڑ لایا۔ حضور نے یہ بکریاں اسی کے حوالہ کر دیں اور ان میں سے خمس لینا قبول نہ کیا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی اسی کی تائید میں ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کا مال لوٹ کر مدینہ حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ جب انہوں نے لوٹ کا مال حضور کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ تمہارا اسلام مقبول ہے مگر یہ مال مقبول نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دار الحرب میں کفار کے حقوق ملکیت | غنیمت پر تیسری قید یہ لگائی گئی ہے کہ غانمین جب تک دار الحرب میں مقیم ہیں اس وقت تک وہ اموال غنیمت سے استفادہ نہیں کر سکتے اس قید سے صرف سامان خورونوش اور جانوروں کا چارہ مستثنیٰ ہے یعنی دوران جنگ میں جس قدر آذوقہ اور چارہ فوجوں کے ہاتھ لگے گا اس میں سے ہر مجاہد بقدر حاجت لے سکتا ہے۔ اس کے سوا باقی تمام اموالِ غنیمت سردار لشکر کے پاس جمع کر دیئے جائیں گے اور ان کو غانمین میں اس وقت تک تقسیم نہ کیا جائے گا جب تک کہ وہ دار الاسلام کی طرف منتقل نہ کر دیئے جائیں۔ اس لیے کہ حنفیہ کے نزدیک اموال غنیمت جب تک دار الحرب میں ہیں غانمین کی مِلک ان پر مکمل نہیں ہوتی۔ امام شافعی کی رائے اس کے خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ محاربین کا مال مُباح ہے اس لیے جس وقت مجاہدین اسلام ان پر قابض ہوئے اسی وقت ان کے مالک بھی ہو گئے۔ مگر امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ یہ ملک ضعیف ہے گو قبضہ ہمارا ہو چکا ہے لیکن دار تو ان کا ہے۔ جب تک مال ان کے دار سے ہمارے دار میں نہ چلا جائے ہم پوری طرح اس کے مالک نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ اتمام ملک کے لیے محض استیلاء (Occupation) کافی نہیں ہے۔ امام سرخسی اس مسئلہ میں حنفیہ کے مسلک کی توضیح اس طرح کرتے ہیں:-

فاما عندنا الحق يثبت بنفس الاخذ ويتاكد بالاحراز ويتمكن بالقسمة كحق الشفيع يثبت بالبيع ويتاكد بالطلب ويتم الملك بالاخذ وما دام الحق ضعيفاً لا تجوز القسمة ..... بالاخذ يملك الاراضي كما يملك الاموال ثم لا يتاكد الحق في الارض التي نزلوا فيها اذا لم يصيرها دار الاسلام (المبسوط، ۱۰، ص ۳۳)

ہمارے نزدیک نفس قبضہ سے حق صرف ثابت ہوتا ہے دار الاسلام میں لیجانے سے مضبوط ہو جاتا ہے، اور تقسیم غنیمت سے مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال شفعہ کی سی ہے کہ شفیع کا حق بیع سے ثابت ہوتا ہے، طلب سے مؤکد ہوتا ہے اور قبضہ کے ساتھ مکمل ہوتا ہے۔ پس جب تک حق ضعیف رہے تقسیم جائز نہیں ہوتی ..... جس طرح اموال (جائداد منقولہ) پر نفس قبضہ سے ملک ثابت ہوتی ہے اسی طرح اراضی (جائداد غیر منقولہ) پر بھی قبضہ سے ملک ثابت تو ہو جاتی ہے مگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس سرزمین میں مسلمانوں کے لشکر اترے ہوں اس پر حق اس وقت تک پوری طرح قائم نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو دارالاسلام نہ بنا دیا جائے۔

اس تصریح سے معلوم ہوا کہ نہ صرف غنیمت، بلکہ فے میں بھی اسلامی حکومت اس وقت تک تصرف کا پورا حق نہیں رکھتی جب تک کہ علاقۂ مقبوضہ ( Occupied territory ) کو دارالاسلام نہ بنا دیا جائے، یا باصطلاح جدید اپنے مقبوضات کے ساتھ اس کے الحاق ( Annexation ) کا باقاعدہ اعلان نہ کر دیا جائے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل بھی اسی مسلک کی تائید کرتا ہے۔ چنانچہ مکحول کا بیان ہے کہ ما قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الغنائم الا فی دار الاسلام (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی غنائم کو دارالاسلام کے سوا کہیں تقسیم نہیں فرمایا) محمد بن اسحاق اور کلبی کی روایت ہے حضور نے حُنَین کے غنائم سے واپسی پر جِعرانہ میں تقسیم فرمائے تھے جو اس زمانہ میں دارالاسلام کی سرحد پر تھا۔ راستہ میں اعراب نے تقسیم کا سخت مطالبہ کیا اور حضور کو اتنا پریشان کیا کہ آپ کی چادر تک پھٹ گئی مگر اس ہنگامہ کے باوجود آپ نے دارالاسلام کے حدود میں پہنچنے سے پہلے مال غنیمت کا ایک حصہ تقسیم نہ کیا۔

رسول خدا کے اس طرزِ عمل اور فقہاء کی ان توجیہات پر غور کیجیے۔ اس کا سبب بجز اس کے اور کچھ نہ معلوم ہوگا کہ اسلامی قانون جس طرح اسلامی مقبوضات پر اہل اسلام کے حقوق ملکیت تسلیم کرتا ہے اسی طرح غیر اسلامی مقبوضات پر اہل کفر بلکہ اہل حرب تک کے حقوق مالکانہ کو بھی تسلیم کرتا ہے اگرچہ جنگ ان کے اموال کو ہمارے لیے مباح کر دیتی ہے۔ مگر شریعت نے ہم کو اس اباحت سے فائدہ اٹھانے کی عام اور غیر مشروط اجازت نہیں دی بلکہ ان کی مِلک سے ہماری مِلک میں اموال کے منتقل ہونے کی چند ضابطہ قانونی شکلیں مقرر کی ہیں، اور یہ ایسی شکلیں ہیں جن میں ہمارے اور اہل کفر کے درمیان پوری مساوات ہے۔ حنفی قانون کہتا ہے کہ ہم ان کے اموال کے مالک اس وقت ہوں گے جب باقاعدہ جنگ میں ان پر قبضہ کر کے اپنے دار میں لے آئیں۔ اسی طرح وہ بھی جب ہمارے اموال پر جنگ کے ذریعہ سے قابض ہو کر اپنے دار میں انھیں لے جائیں گے تو ان کے مالک ہو جائیں گے، اور ان کے دار میں ان کے حقوق مالکانہ کا احترام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنا ہم پر لازم ہوگا۔ اس بارے میں فقہاء کی مزید تصریحات لائق غور ہیں۔

نفس الاخذ سبب لملك المال اذا تم بالاحراز وبيننا وبينهم مساواة في اسباب اصابة الدنيا بل حظهم اوفر من حظنا لان الدنيا لهم ولانه لا مقصود لهم في هذا الاخذ سوى اكتساب المال ونحن لا نقصد بالاخذ اكتساب المال (المبسوط ۱۰ ص ۵۳)

جب مال پر قبضہ کرکے اس کو دار میں پہنچا دیا گیا ہو تو اس مال پر حق ملکیت کا پورا سبب ہے اور اسباب اصابت دنیا میں ہمارے اور کفار کے درمیان کامل مساوات ہے بلکہ دنیا میں ان کا حصہ ہمارے حصہ سے کچھ زیادہ ہی ہے کیونکہ ان کے لیے تو دنیا ہی ہے اور اخذ مال سے ان کا مقصد بجز اکتساب مال کے اور کچھ نہیں بخلاف اس کے ہمارا مقصد اکتساب مال نہیں ہے۔

واذا دخل المسلم دار الحرب بامان وله في ايديهم جارية ماسورة كرهت له غصبها ووطئها لانهم ملكوها عليه والتحقت بسائر املاكهم (ايضاً)

اگر کوئی مسلمان دار الحرب میں امان لے کر داخل ہو اور وہاں خود اسی کی لونڈی اس کے ہاتھ آئے جسے کفار نے قید کر رکھا ہو تو اس کے لیے اس لونڈی پر قبضہ کرنا اور اس سے وطی کرنا جائز نہیں کیونکہ اب وہ اس کے مالک ہیں اور وہ لونڈی ان کے املاک میں داخل ہو چکی ہے۔

ولو خرج الينا بامان ومعه ذلك المال فانه لا يتعرض له فيه (ايضاً ۶۳)

اور اگر کافر حربی ہمارے دار میں امان لے کر آئے اور اس کے ساتھ خود ہم ہی سے لوٹا ہوا مال ہو تو ہم اس سے وہ مال نہیں چھین سکتے۔

فان غلب العدو على مال المسلمين فاحرزوه وهناك مسلم تاجر مستامن حل له ان يشتريه منهم فيأكل الطعام

اگر دشمن مسلمانوں کے مال پر قابض ہو کر اسے اپنے دار میں لے جائے اور وہاں کوئی مسلمان تاجر مستامن ہو تو اس کے لیے اس مال کو خریدنا اور رکھنا حلال ہے اور د


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



| | |
|---|---|
| من ذلك ويطأ الجارية لانهم ملكوها | ان سے خریدی ہوئی لونڈی سے وطی کر سکتا ہے کیونکہ اہل حرب |
| بالاحراز فالتحقت بسائر املاكهم و | دار میں لے جانے کے بعد وہ اس کے مالک ہو گئے اور اب |
| هذا بخلاف مالو دخل اليهم تاجر | وہ ان کے املاک میں شامل ہے بخلاف اس کے اگر کوئی |
| بامان فسرق منهم جارية واخرجها لم | تاجر امان لے کر جائے اور ان کے قبضہ سے لونڈی کو چرا کر |
| يحل للمسلم ان يشتريها منه لانه احرزها | دار الاسلام میں لے آئے تو مسلمان کے لیے اس لونڈی کو |
| على سبيل الغدر وهو مامور بردها | خریدنا حلال نہیں کیونکہ وہ غدر کر کے اسے لایا ہے اور |
| عليهم فيما بينه وبين ربه وان كان | فیما بینہ وبین اللہ وہ اسے واپس کرنے پر مامور ہے |
| لا يجبر الامام على ذلك (ایضاً ص۱۲۱) | اگرچہ امام اس کو واپس کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ |

یہ مسلک ٹھیک ٹھیک حدیث کے مطابق ہے۔ فتح مکہ کے روز جب حضرت علی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اپنے مکان میں کیوں نہیں قیام فرماتے تو حضور نے جواب دیا کہ ھل ترک لنا عقیل من ربع۔ "عقیل نے ہمارے لیے چھوڑا ہی کیا ہے"۔ یہ مکان ہجرت سے قبل حضور کی ملک تھا اب باوجودیکہ فتح مکہ کے بعد مکہ معظمہ دار الاسلام ہو چکا تھا، مگر حضور نے اس مکان کو واپس نہ لیا، کیونکہ آپ کا سابق حق ملکیت باقی نہ رہا تھا اور اہل کفر کی ملک اس پر قائم ہو چکی تھی۔

**مباحث گزشتہ کا خلاصہ** | یہ تمام قانونی تصریحات آپ کے سامنے ہیں ان پر غور کرنے سے حسب ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ دار الحرب اگر مطلقاً دار الکفر (**Foreign territory**) کے معنی میں لیا جائے تو اس کے اموال مباح نہیں بلکہ صرف غیر معصوم ہیں، اور عدم عصمت کا مآل صرف اس قدر ہے کہ اسلامی حکومت اس دار میں کسی جان یا مال کے تحفظ کی ذمہ دار نہیں ہے۔ وہاں اگر کوئی مسلمان کسی مسلم یا غیر مسلم کو جان ومال کا نقصان پہنچائے گا یا اس کی ملک سے کوئی چیز حرام طریقہ سے نکال لے گا تو یہ اس کے اور خدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درمیان ہے، اسلامی حکومت اس سے کوئی مواخذہ نہیں کرے گی۔

(۲) دارالحرب سے مراد اگر ایسے کفار کا دار لیا جائے جن کے نفوس و اموال مباح ہیں، تو اس معنی میں ہر دارالکفر دارالحرب نہیں ہے، بلکہ صرف وہ علاقہ دارالحرب ہے جس سے بالفعل دارالاسلام کی جنگ ہو۔ اس خاص نوع کے دارالکفر کے سوا کسی دوسرے دارالکفر کے باشندے نہ مباح الدم ہیں اور نہ مباح المال، اگرچہ وہ ذمی نہیں ہیں اور ان کے نفوس و اموال غیر معصوم ہیں۔

(۳) اس آخری معنی میں جو ملک دارالحرب ہو اس کے نفوس و اموال بھی مطلقاً ایسے مباح نہیں ہیں کہ ہر شخص وہاں لوٹ مار کرنے اور کفار کی املاک پر قبضہ کرنے کا مختار ہو۔ بلکہ اس کے لیے بھی کچھ شرائط اور قیود ہیں:

(الف) امام مسلمین باقاعدہ اعلان جنگ کر کے اس ملک کو دارالحرب قرار دے۔

(ب) وہاں جنگ کرنے والوں کو امام کا "اذن" اور اس کی "حمایت" حاصل ہو۔

(۴) غنیمت صرف اس جائداد منقولہ کو کہتے ہیں جو دشمن کے عساکر سے لڑ کر حاصل کی جائے، یا الفاظ دیگر اشرف جہات سے حاصل ہو اور جس میں دین کا اعزاز ہو۔ اس مال میں پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے۔

(۵) فَے ان اموال منقولہ و غیر منقولہ کو کہتے ہیں جو نتیجۂ فتح کے طور پر حکومت اسلامی کے قبضہ میں آئیں۔ خراج اور مال صلح وغیرہ کا شمار بھی فَے ہی میں ہے، لیکن یہ بالکلیہ اسلامی حکومت کی ملک ہے اور کسی شخص خاص کو اس پر حقوق ملکیت حاصل نہیں ہو سکتے۔

(۶) فے اور غنیمت کے اموال پر فاتحین کو پورے حقوقِ ملکیت صرف اسی وقت حاصل ہوتے ہیں جبکہ وہ ان کو دارالحرب سے دارالاسلام میں منتقل کر دیں، یا دارالحرب کو دارالاسلام بنا دیں۔ اس سے پہلے ان اموال میں تصرف کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا مکروہ ہے

(۷) اسلامی قانون حربی کفار کے اموال پر ان کے حقوقِ ملکیت کو تسلیم کرتا ہے، اور ان کی ملک کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کوئی مال مسلمانوں کی مِلک میں جائز طور پر صرف انہی صورتوں سے منتقل ہو سکتا ہے جن کو اللہ اور رسول نے حلال کیا ہے، یعنی بیع یا صلح یا جنگ۔

**مسلمانوں کی حیثیات بلحاظ اختلاف دار** ان امور کے متحقق ہو جانے کے بعد اب ایک نظریہ بھی دیکھ لیجیے کہ اسلامی قانون کے مطابق اختلاف دار کے لحاظ سے خود مسلمانوں کی حیثیات میں کیا اختلافات واقع ہوتے ہیں۔

اس باب میں تمام قوانین کی بنا حسب ذیل آیات و احادیث پر قائم ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا۔ (الانفال: ۱۰)

اور جو لوگ ایمان لائے مگر انہوں نے ہجرت نہ کی ان سے تمہارا دوستی اور حمایت کا کوئی تعلق نہیں تاوقتیکہ وہ ہجرت نہ کریں۔

فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (النساء: ۱۲)۔

ان کو دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں۔

وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَن يَصَّدَّقُوا فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (النساء ۱۳)

جو کوئی کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے اس کو ایک مسلمان بردہ آزاد کرنا چاہیے اور اس کے وارثوں کو دیت دینی چاہیے الا یہ کہ ورثہ صدقہ کے طور پر دیت چھوڑ دیں اور اگر وہ مقتول کسی ایسی قوم سے ہو جس سے تمہاری دشمنی ہو اور ہو وہ مومن تو ایک مسلمان بردہ آزاد کرنا چاہیے اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اس کے وارثوں کو دیت دی جائے اور ایک مسلمان بردہ آزاد کیا جائے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا بریٔ من کل مسلم اقام بین اظہر المشرکین

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہر اس مسلمان کی ذمہ داری سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو۔ اور حضورؐ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


| | |
|---|---|
| وعن النبی ایضًا من اقام مع المشرکین فقد برئت منہ الذمۃ او قال لا ذمۃ لہ۔ | سے یہ بھی مروی ہے کہ جس نے مشرکین کے ساتھ قیام کیا اس سے میں بری الذمہ ہوں۔ یا فرمایا اس کے لئے کوئی ذمہ نہیں۔ |

ابوداؤد کی کتاب الجہاد میں ہے کہ جب حضور کسی کو لشکر کا سردار مقرر کر کے بھیجتے تو اس کو منجملہ دوسری ہدایات کے، یہ بھی ہدایت فرماتے تھے:۔

| | |
|---|---|
| ادعھم الی الاسلام فان اجابوک فاقبل منھم وکف عنھم ثم ادعھم الی التحول من دارھم الی دار المھاجرین واعلمھم انھم ان فعلوا ذٰلک ان لھم ما للمھاجرین وان علیھم ما علی المھاجرین فان ابوا واختاروا دارھم فاعلمھم انھم یکونون کاعراب المسلمین یجری علیھم حکم اللہ الذی کان یجری علی المومنین ولا یکون لھم فی الفیٔ والغنیمۃ نصیب الا ان یجاھد وامع المسلمین (باب فی دعاء المشرکین) | ان کو پہلے اسلام کی طرف دعوت دینا۔ اگر وہ قبول کریں تو ان سے ہاتھ روک لینا۔ پھر ان سے کہنا کہ اپنے وار کو چھوڑ کر مہاجرین کے دار یعنی دارالاسلام میں آجائیں اور انہیں بتا دینا کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کے وہی حقوق ہوں گے جو مہاجرین کے ہیں اور وہی واجبات ان پر عائد ہوں گے جو مہاجرین پر ہیں۔ اگر وہ انکار کریں اور اپنے ہی دار میں رہنا اختیار کریں تو انہیں آگاہ کر دینا کہ ان کی حیثیت اعراب مسلمین کی سی ہوگی۔ ان پر اللہ کے وہ تمام احکام جاری ہوں گے جو مومنین پر جاری ہوتے ہیں۔ مگر فے اور غنیمت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ الا یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد کریں۔ |

ان آیات و احادیث سے فقہاء حنفیہ نے جو احکام مستنبط کئے ہیں ان کو ہم اختصار کے ساتھ یہاں بیان کرتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| دارالاسلام کے مسلمان | جو نفوس و اموال دارالاسلام کی حدود میں ہوں صرف انہی کی حفاظت اسلام کے |

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذمہ ہے اور جو مسلمان دارالاسلام کی رعایا ہوں دینی حیثیت ہی سے نہیں بلکہ دنیوی حیثیت سے بھی اسلام کے تمام قوانین ان پر نافذ ہوں گے۔ اور وہی کلی طور پر احکام اسلام کے ملتزم ہوں گے۔ یہ قاعدہ اسلامی قانون کے قواعد کلیہ میں سے ہے اور اس پر بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں۔

(۱)۔ اسی قاعدہ کی بنیاد پر یہ مسئلہ ہے کہ عصمت نفوس و اموال و اعراض صرف انہی مسلمانوں کو حاصل ہے جو دارالاسلام کی حفاظت میں ہوں۔ ان کے سوا دوسرے مسلمانوں کی عصمت محض دینی عصمت ہے عصمت مقومہ نہیں ہے جس کی بنا پر قضاء شرعی لازم آتی ہے کما قال السرخسی فی کتابہ المبسوط "العصمۃ المقومۃ تکون بالاحراز" (جلد ۱۰ صفحہ ۳) والعصمۃ بالاحراز والاحراز بالدار لا بالدین (ایضاً ص ۵۳)

۲۔ اسی قاعدہ سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ اسلامی قانون جن افعال کو حرام قرار دیتا ہے ان سے دارالاسلام کے مسلمان دیناً و قضاءً دونوں حیثیتوں سے روکے جائیں گے، مگر جو مسلمان دارالاسلام میں نہیں ہیں ان کا معاملہ ان کے اور خدا کے درمیان ہے، دین کا احترام دل میں ہو تو باز رہیں اور نہ ہو تو جو چاہیں کریں، اس لیے کہ اسلام کو ان پر نفاذ احکام کا اقتدار حاصل نہیں ہے

۱؎ ابتدائی زمانہ میں جب تمام اسلامی مقبوضات ایک ہی حکومت کے ماتحت تھے تو دارالاسلام خلیفۂ اسلام کے حدود سلطنت کا ہم معنی تھا مگر اسلام کے دستوری قانون کی بنیاد جن اصولوں پر رکھی گئی ہے وہ ایسے ہیں کہ جب دارالاسلام ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف ریاستوں میں تقسیم ہو گیا تو خود بخود دولت مشترکہ (Common-wealth) کا تصور پیدا ہو گیا۔ ہر اسلامی مقبوضہ خواہ وہ دنیا کے کسی گوشے میں ہو، اور کسی حکمران کے ماتحت ہو، اور اس کا نظام حکومت کسی قسم کا ہو، بہرحال دارالاسلام کا ایک جزء ہے۔ اور ہر مسلمان خواہ وہ کہیں پیدا ہوا ہو۔ دارالاسلام میں داخل ہوتے ہی خود بخود اس کی رعیت بن جاتا ہے اور تمام حقوق شہریت Rights of citizenship اس کو حاصل ہو جاتے ہیں۔ موجودہ اسلامی حکومتیں خواہ اس پر عمل کریں یا نہ کریں، لیکن اسلامی قانون کی رو سے کوئی مسلمان کسی اسلامی حکومت میں غیر ملکی نہیں ہے۔ ایک افغان کے حقوق اور واجبات ترکی اور ایران میں بھی وہی ہیں جو خود افغانستان میں ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) یہی قاعدہ اس مسئلہ کا ماخذ بھی ہے کہ جو نفوس و اموال دارالاسلام کی حفاظت میں ہوں وہ سب معصوم ہیں اس لیے ان پر حق شرعی کے سوا کسی دوسرے طریقہ سے تعدی کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ اس بارے میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کوئی امتیاز نہیں تعدی کرنے سے ہر اس شخص کو روکا جائے گا جو ملتزم احکام اسلام ہو چکا ہو عام اس سے کہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم اور ہر اس شخص کی جان و مال کی حفاظت کی جائے گی جو دارالاسلام کی حفاظت میں ہو خواہ مسلمان ہو یا کافر۔ لان الدین مانع لمن یعتقدہ حقاً للشرع دون من لا یعتقدہ وبقوۃ الدار یمنع عن مالہ من یعتقد حرمتہ ومن لم یعتقدہ (المبسوط ج ۱۴ ص ۵۸) اسی بنا پر دارالاسلام میں کوئی مسلمان مسلمان سے اور کوئی مسلمان ذمی سے اور کوئی ذمی مسلمان سے اور کوئی ذمی ذمی سے اور کوئی حربی مستامن دوسرے مستامن سے سود یا عقود فاسدہ میں سے کسی عقد فاسد پر معاملہ نہیں کر سکتا، کیونکہ سب کے اموال سب کے لیے معصوم ہیں، اور ان کو صرف انہی طریقوں سے لیا جا سکتا ہے جن کو اسلامی قانون جائز رکھتا ہے۔ (فان دخل تجار اهل الحرب دارالاسلام بامان فاشتری احدهم من صاحبه درهما بدرهمین لم یجز ذلک الا ما اجیز بین اهل الاسلام وکذلک اهل الذمة اذا فعلوا ذلک لان مال کل واحد منهم معصوم متقوم المبسوط ج ۱۴ ص ۵۸) اسی طرح اگر دارالکفر سے کوئی کافر دارالاسلام میں آئے یا دارالحرب سے کوئی حربی کافر امان لے کر اسلامی ملک میں داخل ہو تو اس سے بھی سود لینا یا عقود فاسدہ پر معاملہ کرنا جائز نہیں، کیونکہ حکومت اسلامی کی امان نے اس کو معصوم الدم والمال کر دیا ہے اور حکومت اسلامی کی امان کا احترام اس کی تمام رعایا پر واجب ہے۔ البتہ اگر کوئی حربی بغیر امان لیے دارالاسلام میں آجائے تو اس کو پکڑنا، لوٹنا، مارنا، اور اس سے عقود فاسدہ پر معاملہ کرنا سب کچھ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ وہ مباح الدم والمال ہے۔ لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس سے عقود فاسدہ پر معاملہ کرنے کو جائز نہیں رکھتے (اس پر تفصیلی بحث آگے آتی ہے)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


مستامن مسلمان دار الکفر اور دار الحرب میں | دار الاسلام کی رعایا میں سے جو شخص عارضی طور پر دار الکفر یا دار الحرب میں امان لے کر جائے اس کو اسلامی اصطلاح میں "مستامن" کہتے ہیں۔ یہ شخص اگرچہ اسلامی حکومت کے حدود قضا (jurisdiction) سے باہر ہو جانے کی بنا پر اُس کے قانون مدنی کی گرفت سے آزاد ہو جاتا ہے، مگر پھر بھی اسکو ایک حد تک اسلامی حکومت کا تحفظ (Protection) حاصل رہتا ہے، اور التزام احکام اسلامی کی ذمہ داری اس پر سے بالکل ساقط نہیں ہو جاتی۔ ہدایہ میں ہے:-

العصمة الثابتة بالاحراز بدار الاسلام لا تبطل بعارض الدخول بالامان (کتاب السیر باب المستامن) — دار الاسلام کی حفاظت سے جو عصمت ثابت ہوتی ہے وہ عارضی طور پر امان لے کر داخل ہونے سے باطل نہیں ہو جاتی۔

اس اصل پر حسب ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں۔

(۱) جب دار الکفر سے دار الاسلام کا معاہدہ ہو، وہاں مستامن مسلمان کے لیے عقود فاسدہ پر معاملہ کرنا جائز نہ ہوگا، اس لیے کہ وہاں کے کفار مباح الدم والاموال ہی نہیں ہیں، اور جب عقود فاسدہ کے جواز کی بنا اباحت پر رکھی گئی ہے تو اباحت کے مرتفع ہونے سے وہ چیز آپ سے آپ مرتفع ہو جاتی ہے جو اس پر مبنی ہے۔

(۲) اگر کوئی مستامن مسلمان ایسے دار الکفر میں عقود فاسدہ پر معاملہ کرے یا بدعہدی کرے یا غصب اور سرقہ سے کوئی چیز لے کر آجائے تو قضائے شرعی اس پر جاری نہ ہوگی، نہ اس کے خلاف دار الاسلام میں کسی مقدمہ کی سماعت ہو سکے گی نہ اس پر کوئی ضمان لازم ہوگا۔[۱] البتہ دینی حیثیت سے اس کو ان تمام افعال سے رجوع کا مشورہ دیا جائے گا جو اس نے شریعت کے خلاف کیے ہیں۔

(۳) عقود فاسدہ کو مستثنیٰ کر کے باقی تمام معاملات میں اس مستامن کے لیے بھی حنفی فقہ کے

[۱] یہ صرف ان صورتوں میں ہے جب کہ معاہدہ میں کوئی شرط اس کے متعلق نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اسلامی قانون کے تحت نفس فعل کی بنا پر اس مسلمان سے کوئی باز پرس نہ کی جائے گی۔ باز پرس اگر ہو سکتی ہے تو وہ صرف شرائط معاہدہ کے تحت ہو سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی احکام ہیں جو "دارالحرب" میں امان لے کر داخل ہوا ہو۔

لو دخل الیھم تاجر بامان فسرق منھم جاریة واخرجھا .... فھو مامور بردھا علیھم فیما بینه و بین ربه وان کان لا یجبره الامام علیٰ ذلك (المبسوط ج ۱۰ ص ۶۱)

اگر کوئی تاجر دارالحرب میں امان لے کر جائے اور ان کے ہاں سے کوئی لونڈی چرا لائے .... تو فیما بینہٗ و بین اللہ وہ اسے واپس کرنے پر مامور ہے اگرچہ امام اس کو ایسا کرنے پر مجبور نہ کرے گا۔

واذا دخل المسلم دارالحرب بامان فداینھم اوداینوه او غصبھم او غصبوه لم یحکم فیما بینھم بذلك ..... وان ضمن المستامن لھم ان لا یخونھم وانما غدر بامان نفسه دون الامام فیفتی بالرد و لا یجبر علیه فی الحکم (ایضاً ص ۹۵)

اگر مسلمان دارالحرب میں امان لے کر داخل ہوا اور ان سے قرض لے یا وہ اس سے قرض لیں، یا وہ ان کا مال غصب کرے یا وہ اس کا مال غصب کریں تو ان کے درمیان دارالاسلام میں کوئی فیصلہ نہ کیا جائے گا۔ ..... مستامن نے بطور خود ان سے خیانت نہ کرنے کا ذمہ لیا تھا، اور اب جو اس نے غدر کیا تو یہ امام کے معاہدہ میں نہیں بلکہ خود اپنے ذاتی معاہدہ میں غدر کیا ہے اس لیے اس کو واپس کرنے کا فتویٰ دیا جائے گا مگر حکماً اس پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

(امام ابو یوسف کو اس سے اختلاف ہے کیونکہ وہ مسلمان کو ہر جگہ ملتزم احکام اسلام قرار دیتے ہیں)

اگر کوئی مستامن مسلمان دارالحرب میں کسی کو قتل کرے یا اس کے مال کو نقصان پہونچائے تو دارالاسلام میں اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔ البتہ اس کے دین کے لحاظ سے ایسا کرنا اس کے لیے ناجائز ہے واکرہ للمسلم المستامن الیھم فی دینه ان یغدر بھم لان الغدر حرام (ایضاً ص ۹۶)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اگر مستامن مسلمان دار الحرب سے غصب کرکے یا چرا کر کوئی مال لے آئے تو مسلمان کے لیے اس کو خریدنا مکروہ ہے لیکن اگر وہ خرید لے تو یہ بیع رد نہ کی جائے گی کیونکہ قانوناً نفس بیع و شراء میں کوئی نقص نہیں البتہ اصلاحاً چونکہ یہ مال غدر ہے اس لیے وہ مسلمان اپنے دین کے لحاظ سے اس کو واپس کرنے پر مامور ہے

والنھی عن الشراء منہ لیس لمعنی فی عین الشراء فلا یمنع جوازہ وھھنا الکراھۃ لمعنی الغدر وکونہ مامورا بردھا علیھم دینا (۹۷)

(۴) مستامن مسلمان "دار الحرب" میں اہل حرب سے سود لے سکتا ہے، جوا کھیل سکتا ہے، خمر اور خنزیر اور مردار ان کے ہاتھ بیچ سکتا ہے اور تمام ان طریقوں سے ان کا مال لے سکتا ہے جن پر خود اہل حرب راضی ہوں۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا مذہب ہے۔ امام ابو یوسف اس سے اختلاف کرتے ہیں فریقین کے دلائل جو امام سرخسی نے نقل کیے ہیں لائق غور ہیں:۔

"مستامن کے لیے اہل حرب سے سود پر نقد یا قرض معاملہ کرنا یا خمر یا خنزیر اور مردار ان کے ہاتھ فروخت کرنا ابو حنیفہ اور محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے مگر ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ مسلمان ملتزم احکام اسلام ہے خواہ کہیں ہو اور اس نوع کے معاملہ کی حرمت اسلام کے احکام میں سے ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ اگر حربی مستامن سے ہمارے دار میں ایسا معاملہ کیا جائے تو جائز نہ ہوگا۔ پس جب یہاں یہ ناجائز ہے تو دار الحرب میں بھی ناجائز ہونا چاہیے۔ اس کے جواب میں مقدم الذکر دونوں امام فرماتے ہیں کہ یہ تو کافر کے مال کو اس کی مرضی سے لینا ہے، اور اس کی اصل یہ ہے کہ ان کے اموال ہمارے لیے مباح ہیں۔ مستامن نے ذمہ داری صرف اس قدر لی تھی کہ ان سے خیانت نہ کرے گا۔ مگر جب اس نے ان عقود کے ذریعہ سے اس کی رضا کے ساتھ یہ مال لیا تو غدر سے تو یوں بچ گیا اور حرمت سے اس طرح بچا کہ یہ مال اس نے عقد کے اعتبار سے نہیں بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اباحت کی اصل پر لیا ہے۔ رہا دارالاسلام میں حربی مستامن کا معاملہ تو وہ اس سے مختلف ہے، کیونکہ اس کا مال امان کی وجہ سے معصوم ہو گیا ہے اس لیے اباحت کی بنا پر اس کو نہیں لیا جا سکتا (المبسوط ج ۱۰ ص ۹۵)"

"امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جب مسلمانوں کیلیے اہل حرب کے اموال کو لوٹنا اور چھین لینا حلال ہے تو ان کی مرضی سے لینا بدرجۂ اولیٰ حلال ہونا چاہیے مطلب یہ ہے کہ لشکر اسلام کے حدود سے باہر ان کے لیے کوئی امان نہیں ہے، لہٰذا مسلمانوں کے لیے ہر ممکن طریقہ سے ان کا مال لینا جائز ہے" (المبسوط ج ۱۴ ص ۱۳۸)

"امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ مسلمان چونکہ اہل دارالاسلام میں سے ہے اس لیے وہ حکم اسلام کی بنا پر ہر جگہ ربوٰ سے ممنوع ہے۔ اس کے فعل کی یہ توجیہ درست نہیں کہ وہ کافر کے مال کو بطیب نفس لے رہا ہے بلکہ وہ اس کو دراصل اس خاص صورت معاملہ کی بنا پر لیتا ہے کیونکہ اگر وہ خاص صورت معاملہ (یعنی عقد فاسد) نہ ہو تو کافر اس کو کسی دوسری صورت سے اپنا مال دینے پر راضی نہ ہو گا اگر دارالحرب میں ایسا کرنا جائز ہو تو مسلمانوں کے درمیان دارالاسلام میں بھی اس طرح کا معاملہ جائز ہو گا کہ ایک شخص ایک درہم کے بدلے دو درہم لے اور دوسرے درہم کو ہبہ کے نام سے موسوم کر دے" (المبسوط ج ۱۴ ص ۵۸)

ہمارا مقصود دونوں اقوال میں محاکمہ کرنا نہیں ہے۔ ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خود امام ابوحنیفہ کے مذکورۂ بالا اقوال اور ان کے مذہب کے دوسرے مسائل سے جو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں چار باتیں صاف طور پر ثابت ہوتی ہیں۔

اولاً یہ معاملہ صرف اس مسلمان کے لیے جائز ہے۔ جو دارالاسلام کی رعایا ہو اور امان لے کر جائے۔

ثانیاً یہ معاملہ ان حربی کافروں سے کیا جا سکتا ہے جن کے نفوس و اموال مباح ہیں۔

ثالثاً اس طریقہ سے جو مال لیا جائے گا وہ غنیمت نہ ہو گا۔ اس لیے کہ نہ تو وہ اشرف الجہات سے ہے نہ اس میں دین کا اعزاز ہے، نہ اس میں خمس ہے۔ بلکہ وہ مجرد اکتساب مال ہے اسی طرح وہ فے بھی نہیں ہے کیونکہ فے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


حکومت اسلام کی ملک ہوتی ہے اور یہ مال وہ شخص خود لیتا ہے۔ بیت المال میں داخل نہیں ہوتا۔

رابعاً اس طریقہ سے کفار کا مال لینا صرف جواز قانونی کے درجہ میں ہے، بلکہ جواز کی آخری حد پر ہے، اور اسکی قانونی حیثیت صرف اتنی ہے کہ اگر مسلمان ایسا کرے گا تو امام صاحب کی رائے میں دیانۃً بھی اس کو یہ مال واپس کرنیکا فتویٰ نہ دیا جائیگا، بخلاف مال غدر کے کہ اگرچہ قضاءً اسے واپسی پر مجبور نہ کیا جائیگا مگر دیانۃً اس کو واپس کر دینے کا حکم دیا جائیگا۔

۵۔ مستامن مسلمان جس طرح دارالحرب کے کافروں سے عقود فاسدہ پر معاملہ کر سکتا ہے اسی طرح وہاں کے مسلمان باشندوں سے بھی ایسا معاملہ کرنے کا مجاز ہے، کیونکہ ان کے اموال بھی مباح ہیں۔ اس کے حوالے ہم اس سے پہلے درج کر چکے ہیں۔

**دارالکفر اور دارالحرب کی مسلم رعایا** وہ مسلمان جو دارالکفر میں رہیں اور دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کریں اسلام کی حفاظت سے خارج ہیں۔ اگرچہ اسلام کے تمام احکام اور حدود حلال و حرام کی پیروی مذہباً ان پر لازم ہے لیکن اسلام ان کی ذمہ داری سے بری ہے جیسا کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے۔ غنیمت اور فے میں ان کا سرے سے کوئی حصہ ہی نہیں جیسا کہ بصراحت حدیث میں مذکور ہے، اور دنیوی حیثیت سے ان کے نفوس و اصول غیر معصوم ہیں، کیونکہ عصمت مقومہ ان کو حاصل نہیں۔

اگر ایسے مسلمان "حربی" قوم سے ہوں تو گویا مباح الدم والاموال ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے قاتل پر قصاص کیا معنی دیت بھی نہیں بلکہ بعض حالات میں کفارہ تک نہیں۔ اس باب میں فقہاء حنفیہ کے چند اقوال ہم بے کم و کاست نقل کر دیتے ہیں جن سے دارالحرب کی مسلمان رعیت کا قانونی مقام آپ خود ہی معلوم ہو جائے گا۔

| | |
|---|---|
| لاقیمة لدم المقیم فی دار الحرب بعد اسلامه قبل الهجرة الینا .... اجروه | جو شخص مسلمان ہونے کے بعد ہجرت نہ کرے اور دارالحرب میں مقیم رہے اس کے خون کی کوئی قیمت نہیں ..... |
| اصحابنا مجری الحربی فی اسقاط الضمان | ہمارے اصحاب نے اس کو حربی کے درجہ میں قرار دیا ہے |

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



عن متلف ماله .... ماله كمال الحربي من هذا الوجه ولذلك اجاز ابو حنيفة مبايعته على سبيل ما يجوز مبايعة الحربي من بيع الدرهم بالدرهمين في دار الحرب (احكام القرآن للجصاص الحنفي ج ۲ ص ۲۹)

اس حیثیت سے کہ اس کے مال کو نقصان پہونچانے والے پر کوئی ضمان نہیں ..... اس کا مال اس لحاظ سے حربی کے مال کی طرح ہے اسی لیے ابو حنیفہ نے اس کے ساتھ بھی خرید و فروخت کی وہ صورت جائز رکھی ہے جو حربی کے ساتھ جائز رکھی ہے، یعنی دار الحرب میں ایک درہم کو دو درہم کے عوض بیچنا (سود)۔

من في دار الحرب في حق من هو في دار الاسلام كالميت (المبسوط ج ۱۰ ص ۶۴)

جو شخص دار الحرب میں ہے وہ دار الاسلام والے کے لیے گویا مُردہ ہے۔

ان تترسوا باطفال المسلمين فلا باس بالرمي اليهم وان كان الرامي يعلم انه يصيب المسلم ...... ولا كفارة عليه ولا دية (ايضاً ص ۶۵)

اگر اہل حرب مسلمانوں کے بچوں کو ڈھال بنائیں تو ان پر نشانہ لگانے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ نشانہ لگانے والا جانتا ہو کہ مسلمان کو نشانہ بنا رہا ہے ... اس پر نہ دیت ہے نہ کفارہ۔

واذا اسلم الحربي في دار الحرب ثم ظهر المسلمون على تلك الدار ترك له ما في يديه من ماله ورقيقه وولده الصغار ... فاما عقاره فانها تصير غنيمة للمسلمين في قول ابي حنيفة ومحمد وقال ابو يوسف استحسن فاجعل عقاره له (ايضاً ص ۶۶)

اگر حربی دار الحرب میں مسلمان ہو پھر اس دار پر مسلمان فتح پائیں تو اس کا مال اور اس کے غلام اور اس کے نابالغ بچے چھوڑ دیے جائیں گے .... مگر اس کی غیر منقولہ جائداد مسلمانوں کے لیے غنیمت قرار دی جائیگی۔ یہ ابو حنیفہ اور محمد کا قول ہے۔ ابو یوسف کہتے ہیں کہ احسان کے طور پر غیر منقولہ جائداد بھی اس کے پاس رہنے دی جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واکرہ للرجل ان یطأ امتہ او امرأتہ فی دار الحرب مخافۃ ان یکون لہ فیھا نسل لانہ ممنوع من التوطن فی دار الحرب ..... واذا خرج ربما یبقی لہ نسل فیتخلق ولدہ باخلاق المشرکین۔ (ایضاً ص۵)

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص کے لیے اس کو بھی مکروہ سمجھتا ہوں کہ دار الحرب میں اپنی لونڈی یا بیوی سے مباشرت کرے خوف ہے کہ کہیں وہاں اس کی نسل نہ پیدا ہو کیونکہ مسلمانوں کے لیے دار الحرب کو وطن بنانا ممنوع ہے ..... اور اس لیے کہ اگر وہ وہاں سے نکل آیا اور اپنی نسل وہاں چھوڑ آیا تو اس کی اولاد مشرکین کے اخلاق اختیار کرے گی۔

آخری بات جو اس سلسلہ میں ڈرتے ڈرتے ہم بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ امام اعظم کی رائے میں دار الحرب کے مسلمان باشندوں کے لیے ایک دوسرے سے سود کھانا مکروہ ہے، لیکن اگر وہ ایسا معاملہ کریں تو اس کو رد نہ کیا جائے گا۔ اس رائے سے امام محمد نے بھی اختلاف کیا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں مسلمانوں کا مال معصوم عن التملک بالاخذ ہے۔ جب مسلمان اس ملک پر فتح پانے کی صورت میں ان کے مال کو غنیمت قرار نہیں دے سکتے تو ان دونوں کو ایک دوسرے کا مال غنیمت کے طور پر لینے کا کیا حق ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ نے اپنی رائے کی تائید میں جو قانونی استدلال کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف قانونی حیثیات کے پیچیدہ اور نازک فروق کو سمجھنے میں امام صاحب کا تفقہ کس قدر بڑھا ہوا تھا۔ ہم اس بیان کو لفظ بلفظ نقل کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے ایک اہم اصل قانونی پر روشنی پڑتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

بالاسلام قبل الاحراز تثبت العصمۃ فی حق الامام دون الاحکام الا تری ان احدھما لو اتلف مال صاحبہ

دار الاسلام کی حفاظت میں آنے سے پہلے محض اسلام سے جو عصمت ثابت ہوتی ہے وہ صرف امام کے حق میں ہے مگر احکام میں نہیں ہے۔ دیکھتے نہیں ہو کہ اگر ان دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



او نفسه لم يضمن وهو آثم في ذلك و انما تثبت العصمة في حق الاحكام بالاحراز والاحراز بالدار لا بالدين لان الدين مانع لمن يعتقده حقا للشرع دون من لا يعتقده - وبقوة الدار يمنع عن ماله من يعتقد حرمته و من لم يعتقده فلثبوت العصمة في حق الاثم قلنا يكره لهما هذا الصنيع و لعدم العصمة في حق الحكم قلنا لا يومر ان يرد ما اخذه لان كل واحد منهما انما يملك مال صاحبه بالاخذ (المبسوط ج ۱۰ ص ۵)

مسلمانوں میں سے ایک شخص دوسرے کا مال یا جان تلف کر دے تو اس پر ضمان نہ ہوگا حالانکہ وہ ایسا کرنے میں گناہ گار ہوگا۔ بات دراصل یہ ہے کہ احکام میں عصمت صرف احراز ہی سے ثابت ہوتی ہے اور احراز (حفاظت) دار کے سبب سے ہے نہ کہ دین کے سبب سے۔ دین تو حق شرع کے لحاظ سے صرف ان لوگوں کو روکتا ہے جو اس پر اعتقاد رکھتے ہوں اور ان کو نہیں روکتا جو اسے نہ مانتے ہوں بخلاف اس کے دار کی قوت سے آدمی کی حفاظت اس کے مقابلہ میں بھی کی جاتی ہے جو اس کی حرمت کا اعتقاد رکھتا ہے اور اس کے مقابلہ میں بھی جو ایسا اعتقاد نہیں رکھتا۔ پس گناہ ہونے کی حیثیت سے جو عصمت ثابت ہے اس کی بنا پر ہم نے کہا کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اور حکم قانونی کے لحاظ سے جو عصمت ثابت نہیں ہے اس کی بنا پر ہم نے کہا کہ اس کو لیا ہوا مال واپس کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مال جب لیتا ہے تو محض لے لینے ہی کی وجہ سے اس کا مالک ہو جاتا ہے۔

یہاں امام صاحب نے اسلامی قانون کے تینوں شعبوں کی طرف اشارات کر دیے ہیں۔ اعتقادی قانون کے لحاظ سے مسلمان کا مال بلا لحاظ اس کے کہ وہ دارالاسلام میں ہو یا دارالکفر میں یا دارالحرب میں، بہر حال معصوم ہے اور اس عصمت کا مآل یہ ہے کہ اس سے خدا کے حکم کے خلاف تعرض کرنے والا گناہ گار ہوگا۔ دستوری قانون کے لحاظ سے دارالاسلام میں رہنے والے کافر کے مال کو جو عصمت حاصل ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ دارالکفر میں رہنے والے مسلمان کو حاصل نہیں، اس لیے اگر دارالکفر کا کوئی دوسرا مسلمان اس کو حرام طریقہ سے لے لے تو خدا کے ہاں گنہگار ہوگا مگر دنیا میں اس پر اسلامی حکم جاری نہ ہوگا۔ تعلقات خارجیہ کے قانون کی نگاہ میں کفار کے درمیان رہنے والا مسلمان اپنے عمرانی حقوق اور واجبات کے لحاظ سے انہی کافروں کا شریک حال ہے اس لیے وہ بھی اسی طرح نفسِ اخذ سے مال کا مالک ہوجاتا ہے جس طرح خود کفار مالک ہوتے ہیں۔ پس اگر اس بنیاد پر دارالکفر میں مسلمان مسلمان سے سود کھائیں یا مسلمان کافر سے اور کافر مسلمان سے سود کھائیں تو وہ ان اموال کے مالک تو ہوجائیں گے اور ان کو واپس کرنے کا حکم بھی نہ دیا جائے گا، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ سود کھانے اور کھلانے والے مسلمان گناہ گار نہ ہوں گے۔

قول فیصل یہاں تک ہم نے قانون اسلامی کی جو تفصیلات درج کی ہیں ان سے جناب مولانا مناظر احسن صاحب کے استدلال کی پوری بنیاد منہدم ہوجاتی ہے۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ:۔

(۱) تمام غیر ذمی کافر مباح الدم والاموال نہیں ہیں، بلکہ اباحت صرف ان کافروں کے خون اور مال کی ہے جو برسر جنگ ہوں۔ لہٰذا اگر سود لینا اور عقود فاسدہ پر معاملہ کرنا جائز ہے تو صرف محاربین کے ساتھ ہے، اور ایسا کرنے کا حق صرف ان مسلمانوں کو پہنچتا ہے جو دارالاسلام کی رعیت ہوں، جن کے سرداروں نے کسی دارالکفر کو دارالحرب قرار دیا ہو، اور جو دارالحرب میں امان لے کر تجارت وغیرہ اغراض کے لیے داخل ہوئے ہوں۔

(۲) دارالکفر اول تو ہر حال میں دارالحرب نہیں رہتا، اور اگر اعتقادی قانون کے لحاظ سے وہ دارالحرب سمجھا جائے تو اس کے مدارج مختلف ہیں اور ہر درجہ کے احکام الگ الگ ہیں۔ ایک ہی معنی میں تمام غیر اسلامی مقبوضات کو دارالحرب سمجھنا اور ان میں علی الدوام وہ احکام جاری کرنا جو خاص حالت جنگ کے لیے ہیں، قانون اسلامی کی اسپرٹ ہی کے خلاف نہیں بلکہ صریح ہدایات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے بھی خلاف ہے اور اس کے نتائج نہایت خطرناک ہیں۔ اباحت نفوس و اموال کی بنا پر جو جزئیات متفرع ہوتے ہیں، وہ صرف اسی زمانہ تک نافذ رہ سکتے ہیں جب تک کسی دار الکفر کے ساتھ حالت جنگ قائم رہے۔ پھر ان تمام احکام کا تعلق خود دار الحرب کی مسلمان رعایا سے نہیں بلکہ اس دار الاسلام کی رعایا سے ہے جو برسر جنگ ہو۔

(۳) ہندوستان عام معنی میں اس وقت سے دار الکفر ہو گیا ہے جب سے انگریزی حکومت کا استیلاء اس پر مکمل ہوا ہے۔ جس زمانہ میں شاہ عبد العزیز صاحب نے جواز سود کا فتویٰ دیا تھا، اس زمانہ میں واقعی مسلمانان ہند کے لیے دار الحرب تھا اس لیے کہ انگریزی قوم اسلامی حکومت کو مٹانے کے لیے جنگ کر رہی تھی۔ جب اس کا استیلاء مکمل ہو گیا اور مسلمانان ہند نے اس کی غلامی قبول کر لی تو یہ ان کے لیے دار الحرب نہیں رہا۔ ایک وقت میں یہ افغانستان کے مسلمانوں کے لیے دار الحرب تھا۔ ایک زمانہ میں ترکوں کے لیے دار الحرب ہوا، مگر اب دار الاسلام کی تمام حکومتوں کے لیے دار الصلح ہے۔ ان حکومتوں کی رعایا میں سے بھی کوئی شخص یہاں سود کھانے اور عقود فاسدہ پر معاملہ کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ البتہ سرحد کے آزاد علاقہ والے اس کو اپنے لیے دار الحرب سمجھ سکتے ہیں اور اگر وہ یہاں عقود فاسدہ پر معاملات کریں تو حنفی قانون کی رو سے ان کے فعل کو جائز کہا جا سکتا ہے لیکن یہ جواز محض قانونی جواز ہے۔ خدا کی نظر میں وہ مسلمان ہرگز مقبول نہیں ہو سکتا جو اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہو اور پھر سود خواری سے، مے فروشی سے، قمار بازی سے، سور کے گوشت اور مردار چیزوں کی تجارت سے اسلام کو غیر قوموں کے سامنے رسوا بھی کرتا پھرے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے قرض دار بھائی کو گرفتار کرائے اور سول جیل بھجوا دے دراں حالیکہ اسے معلوم ہو کہ اس کے قبضہ میں درحقیقت کچھ نہیں ہے اور اس کے بچے کل بھوکوں مر جائیں گے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ قرض خواہ کو ایسا کرنے کا حق ہے۔ اور جو کچھ وہ کر رہا ہے قانونی جواز کی حد میں کر رہا ہے۔ مگر اس سے کون انکار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کر سکتا ہے کہ یہ قانونی جواز کی بالکل آخری سرحد ہے، اور جو انسان قانون کی آخری سرحدوں پر رہتا ہے وہ بسا اوقات جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

(۴) ہندوستانی مسلمانوں کی حیثیت ہرگز وہ نہیں ہے جس کے لیے فقہی زبان میں "مستامن" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ مستامن کے لیے پہلی شرط دار الاسلام کی رعایا ہونا ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا قیام ایک قلیل مدت کے لیے ہو۔ حنفی قانون میں حربی مستامن کے لیے دار الاسلام کے اندر رہنے کی زیادہ سے زیادہ مدت ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ رکھی گئی ہے اس کے بعد وہ قانون تبدیل ضنیت (Law of naturalisation) کی رو سے اس کو ذمی بنا لیتا ہے۔ اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مسلمان مستامن کے لیے بھی دار الحرب میں قیام کرنے کی مدت سال دو سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اسلامی شریعت جو مسلمانوں کو دار الاسلام میں سمیٹنے اور کافروں کو ذمی بنانے کے لیے سب سے زیادہ حریص ہے، کبھی اس کی اجازت نہیں دیتی کہ کوئی شخص دار الحرب کو اپنا وطن بنالے اور وہاں نسلوں پر نسلیں پیدا کرتا رہے اور پھر بھی مستامن رہے، اور اُس حیثیت میں زندگی بسر کرتا چلا جائے جو مستامن کے لیے مقرر کی گئی ہے پھر جب یہ ایک شخص کے حق میں جائز نہیں، تو ۷ کروڑ کی عظیم الشان آبادی کے لیے کب جائز ہو سکتا ہے کہ قرنوں تک "مستامن" کی سی زندگی بسر کرے اور ایک طرف ان اباحتوں سے فائدہ اٹھاتی رہے جو حالات "استیمان" کے لیے عارضی طور پر منتشر افراد کو محض جنگی ضروریات کے لیے دی گئی تھیں، اور دوسری طرف وہ تمام قیود اپنے اوپر عائد کرلے جو مستامن کو عارضی طور پر اسلامی قانون کی پابندی سے آزاد کر کے کفار کے قوانین کا پابند بنا دیتی ہیں۔

(۵) مسلمانان ہند کی صحیح قانونی پوزیشن یہ ہے کہ وہ ایک ایسی قوم ہیں جس پر کفار مستولی ہو گئے ہیں۔ ان کا دار جو کبھی دار الاسلام تھا اب دار الکفر بن گیا ہے مگر دار الاسلام کے کچھ آثار ابھی باقی ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ یا تو کسی دار الاسلام میں منتقل ہو جائیں، یا اگر اس پر قادر نہیں تو اس ملک میں جو اسلامی آثار باقی ہیں ان کی سختی کے ساتھ حفاظت کریں اور جتنی تدابیر ممکن ہوں وہ سب اسے دوبارہ دار الاسلام بنانے میں صرف کر دیں۔ احکام کفر کے تحت جو زندگی وہ بسر کر رہے ہیں اس کا سراسر ایک گناہ ہے۔ کیا باقی ماندہ آثار اسلامی بھی مٹا کر اس گناہ میں مزید اضافہ کرنا منظور ہے؟

© rasailojaraid.com